JOURNAL OF RESEARCH (URDU)

ISSN (Print): 1726-9067, ISSN (Online):1816-3424
Volume No. 39, Issue No.02

TITLE OF THE PAPER

ابہام: معاصر بلوچستانی نظم کا وصفِ خاص

AUTHOR(S)

Dr. Qandeel Bader
Chairperson, Department of Urdu
Sardar Bahadir Khan (SBK) Women University, Quetta

CONTACT
qndil78@gmail.com

HISTORY OF THE PAPER

Received on: 07-09-2023
Accepted on: 27-12-2023
Published on: 31-12-2023

DETAIL(S)

Volume No. 39, Issue No. 02, Page No: 49-64
Publisher:
Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University
Multan (Pakistan)-60800

LICENSE

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

COPYRIGHT

©The author(s) 2023. ©Journal of Research (Urdu) 2023.
This publication is an open access article.

JOURNAL'S PROFILE

Journal of Research (Urdu) is a bi-annual "Y" category journal approved by Higher Education Commission of Pakistan.
It started in 2001 from Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan). At that time, it was owned by the Faculty of Languages & Islamic Studies. Later in 2008, Higher Education Commission of Pakistan recognized it as a research journal of Urdu in Category "Z". Since then, it is owned by the Department of Urdu, BZU, Multan. In 2014, it was upgraded and accepted for Category "Y".

CONTACT

Dr. Muhammad Khawar Nawazish
Editor, Journal of Research
Department of Urdu, BZU Multan-60800

MOBILE:
+92 300 9561745

WEBSITE:
https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

EMAIL:
jorurdu@bzu.edu.pk
khawarnawazish@bzu.edu.pk

ADDRESS

Office of the Journal of Research (Urdu), Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, Multan

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 39, Issue No. 2, December 2023

ڈاکٹر قندیل بدر

ابہام: معاصر بلوچستانی نظم کا وصفِ خاص

Obscurity: A Characteristic Feature of Contemporary Baluchistan's Poem

ABSTRACT

Obscurity is an important trait used as a contrast to communication. Mirza Ghalib has played a significant role in introducing obscurity as an important attribute of Urdu poetry. However, the important point is that instead of Urdu Ghazal, Urdu Poem has used this trait with great success. This factor has contributed significantly to the prevalence of Urdu Poem as a prominent genre. Both contemporary perspectives and Baluchistan's Urdu Poem deserve an in-depth study in several respects. In this paper, a study of the present era and the poem has been presented under different forms of obscurity which can be valued as unique reference in its nature.

KEYWORDS

Baluchistan, Urdu Poem, Obscurity

انسانی فکر کے ماورائی اور مابعد الطبعیاتی رخ ہوں یا فلسفیانہ اور نفسیاتی اپروچ یا مذہبی، وجدانی اور تخلیقی اظہارات ہوں، ان تمام کو کسی بھی ریاضیاتی فارمولوں کے تحت سمجھا نہیں جاسکتا۔ ادبی متون کو کبھی بھی دو جمع دو کے فارمولے پر پرکھا نہیں جاسکتا۔ یہ صرف آج کے ادب کا قضیہ نہیں ہے بلکہ مغرب میں یونانی عہد کے ادب سے لے کر آج تک یہ مباحث چلے آرہے ہیں۔ انیسویں صدی میں کروچے اور برگساں نے باقاعدہ تحریک چلائی کہ منطق کی بجائے وجدان پر اپنی تخلیقات کی بنیاد پر رکھی جائے۔ اس کے بعد سریلزم، شعور کی رو، علامتیت، تجریدیت اور اظہاریت جیسی بے شمار تحریکیں شعور کی بجائے لاشعور سے تخلیق کا رشتہ استوار کرنے پر زور دیتی رہیں تاکہ اظہار کو براہ راست اور عامیانہ سطحیت سے بچایا جاسکے اور پُراسراریت اور ماورائیت کو راہ دی جاسکے۔ مغرب میں سائنسی اور عقلی سوچ کے باوجود ماورائی اور مابعد الطبعیاتی فکری رویوں کو تاحال ختم نہیں کیا جاسکا جبکہ ہماری سوچ کا تو محور ہی یقین، عقیدہ اور ایمان ہیں۔ عقیدے کی باتیں خالص مادی نقطۂ نظر سے پرکھی جائیں تو مبہم، مہمل اور مضحک معلوم

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 39, Issue No. 2, December 2023

ہوتی ہیں لیکن ہم نے انہیں کبھی رد نہیں کیا۔ ہم تو خوابوں پر، مزاروں پر، عبادات پر، حتٰی کہ پیری فقیری کے مسالک پر بھی اندھا اعتقاد رکھنے والے لوگ ہیں۔ الہامی کتابوں کو سمجھنے کی فکر میں جتے رہتے ہیں۔ فہیم اعظمی کے مطابق:

> "اساطیر سے لے کر آسمانی کتابوں تک ہم انسانی فکر اور الہامی پیغام کے معنی سمجھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ Hermeneutics یا تفسیر و تعبیر کا سارا نظام اسی نقطہ پر مرتکز ہوتا ہے کہ آسمانی کتابوں میں درج لوح محفوظ کے الفاظ اور جملوں کا مطلب سمجھا اور سمجھایا جائے۔ ایسا کیوں ہے؟ کیا اللہ کا پیغام ہر شخص کی سمجھ میں آجاتا ہے؟ اور اگر جواب نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پُر معنی ہے اور معنی کی گتھیاں سلجھانا انسان کا کام ہے اور اگر اللہ کے کلام میں بھی ایک معنی نہیں ہوتے، اس میں تشابہات ہوتے ہیں، پچھلے پیغامات کے حوالے ہوتے ہیں، علامتیں ہوتی ہیں لیکن ہم ان پر ابہام یا مہملیت کی اصطلاحیں چسپاں نہیں کر سکتے بلکہ ہم انہیں پُر معنی اور فکر انگیز کہتے ہیں۔"(1)

اس لیے حیرت انگیز امر ہے کہ ہم ادبی متون پر ابہام کا لیبل کیسے چسپاں کر دیتے ہیں حالانکہ ہمارے کلاسیکی ادب میں بھی علم بیان اور علم بدیع کی کئی صنعتوں کا استعمال عام تھا۔ صنعتیں نہ صرف الفاظ کا حسن اور مرتبہ بڑھاتی ہیں بلکہ دعوت فکر بھی دیتی ہیں۔ پھر آج کے ترقی یافتہ دور میں تو جمالیاتی اظہارات کو وسعت آشنا کرنا بہت ہی ضروری ہو گیا ہے۔ ورنہ تمام اظہار کلیشے کی سطح پر آجائیں گے اور تکرار اور یکسانیت ادبی وظائف کا رتبہ بھی یک سر گرا دیں گی۔ ادب تو موجودہ عہد میں ویسے بھی اپنے جواز کی جنگ لڑ رہا ہے یوں مزید بے اعتنائی کا شکار ہو جائے گا۔ جو تخلیق ایک ہی قرأت پر اپنا تمام اسرار کھول دیتی ہے اور بار بار قرأت پر آمادہ کرنے کی خاصیت سے محروم ہوتی ہے، متن کی تہوں میں اترنا نہیں سکھاتی، ذہنی تیراکی میں مہارت نہیں بخشتی، وہ اس پیچیدہ عصر سے اپنا تعلق استوار نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اپنا جواز مہیا کرنے میں مکمل ناکام رہتی ہے۔ معنی کسی عامیانہ تخلیق پارے میں بھی بالائی سطح پر موجود نہیں ہوتے، تخلیق ہمیشہ پرت در پرت ہوتی ہے۔ اچھی تخلیق کی خوبی ہی اس کی تکثیریت ہے۔ روحِ عصر سے واقف تخلیق کار یہ جانتے ہیں کہ شعر کی حقیقت اور حسن پوشیدہ تر معنوں میں ہے اور پوشیدہ معنی تک رسائی ابہام تخلیق کیے بغیر

ممکن نہیں۔ابہام صرف بھٹکا تا نہیں بسااوقات معنی تک رسائی میں بھی کار آمد ثابت ہوتا ہے۔ذہن میں نئے سوالات کا ابھارنا بھی اس کی خاصیت ہے اور نئے سوالات ہی جوابات تک رسائی کی راہ ہموار کرتے ہیں۔یوں ابہام ذہنی کشادگی پر دال ہے۔

ہر لسانی اظہار میں کہیں نہ کہیں خلا موجود رہتا ہے۔زبان کسی بھی خیال کی ترسیل پر مکمل قدرت نہیں رکھتی۔خیال کے ساتھ ساتھ بہت سی حقیقتیں بھی زبان کی دست رس سے باہر ہیں اور ہم سب اس کمی کا تجربہ رکھتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہنا یا لکھنا چاہتے ہیں وہ تمام کا تمام معرض اظہار میں کبھی نہیں آتا۔یہ تشنگی بڑے سے بڑے تخلیق کار کو بھی محسوس ہوتی ہے کہ وہ جو لکھنا چاہتا تھا' جیسے لکھنا چاہتا تھا' اس میں وہ ناکامی سے دوچار ہوا ہے۔روز مرہ سے لے کر تخلیقی اظہار کی سبھی صورتوں میں اس "کمی" اور "ان کہی" کی خوب صورتی سے انکار ممکن نہیں۔زندگی اور ادب کا تمام تر ذائقہ اسی "ان کہی" میں ہے انہی خلاؤں، انہی خالی جگہوں، انہی خاموشیوں اور باتوں کے مابین موجود وقفوں میں ہے۔ہم کہا ہوا اکثر بھول جاتے ہیں لیکن "ان کہا" ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ناصر عباس نیر نے لکھا ہے:

> "نئی تھیوری کا یہ دعویٰ غلط نہیں کہ زبان حقیقت کی تشکیل کرتی ہے اس ضمن میں خاص بات یہ ہے کہ حقیقت کی تشکیل کا یہ عمل مسلسل ہے؛ ایک معمولی حقیقت ہو کہ عظیم ترین سچائیاں ہوں، ان کا اظہار اس حتمی مرحلے تک نہیں پہنچ پاتا، جہاں یہ سمجھا جائے کہ اب انہیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں: سچائیوں کی تشکیل اور بیان کا عمل ساتھ ساتھ چلتا ہے۔اسی بات کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ حقیقت کی تشکیل (جو ہر حال انسانی ذہنی اور ثقافتی عمل ہے) کے دوران ہی میں، اس میں کوئی کمی رہ جاتی ہے، جسے پورا کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔گویا حقیقت کا اظہار ہو، یا اس میں تشکیل کا عمل، اس میں لازماً خالی جگہیں رہ جاتی ہیں۔اسی بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہر لسانی اظہار میں ابہام کی کوئی نہ کوئی سطح یا صورت موجود ہوتی ہے۔اس سیاق میں اگر یہ کہیں کہ تمام طرح کے تخلیقی اظہارات، عام اظہارات میں رہ جانے والے کمی کی تلافی کی سعی ہیں تو شاید غلط نہ ہو۔"(2)

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 39, Issue No. 2, December 2023

ابہام، ابلاغ کی ضد کے طور پر رائج اصطلاح ہے جس سے مراد ایسا مواد یا بات کہنے کا ایسا ڈھنگ ہے جو جزوی یا کلی طور پر قاری کی سمجھ سے باہر ہو۔ ابلاغ کو بہت سے تنقیدی دبستان شاعری کا وصف خاص قرار دیتے ہیں جب شاعری ابلاغ کا فریضہ پوری طرح ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے تو ایسی شاعری زیادہ تر معیوب یا عیب دار ہونے سے کسی طور دامن نہیں چھڑا سکتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابہام معنی تک رسائی میں رخنے ضرور ڈالتا ہے لیکن اسے معیوب سمجھنا، ادب کی روح کے منافی ہے۔ مبہم قرار دینے والی تمام شاعری ضروری نہیں کہ ابہام زدہ ہو۔ اکثر شعرا اپنا ماضی الضمیر مکمل طور پر بیان کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور یقیناً شاعری میں نقص پیدا کرتے ہیں۔ ناپختگی اور شاعری سے ناواقفیت نقص کو جنم دیتی ہے لیکن اس نقص کو ابہام سمجھنا بھی کم علمی کی دین ہے۔ اس میں کوئی دورائے نہیں کہ نظم میں بھی ابہام در آنے کی ایک بڑی وجہ نظم نگاروں میں مشق سخن کی کمی ہے۔ فنی ناپختگی اور خیال پر کم زور گرفت ابہام کا سبب بنتی ہے۔ شعوری مشق ترسیل معنی اور موضوع کے ابلاغ میں بہت معاون کردار ادا کرتی ہے لیکن آج کے شعرا میں اس حوالے سے محنت بہت کم دکھائی دیتی ہے۔ اس کے برعکس کچھ نظم نگار شعوری مشق کے ذریعے ابہام کو نظم میں داخل کرتے ہیں یعنی ابہام پختہ اور ناپختہ دونوں شعرا کے ہاں موجود ہو سکتا ہے۔ تاہم ابہام عیب نہیں بلکہ ہنر ہے یہ معنی کو کثیر الجہتی عطا کرتا ہے تخلیقی تموج اور دانش و فکر کی دلیل ہے۔ متن کا الجھاؤ در حقیقت قاری کے تخلیقی ذہن کو ابھارنے اور حرکت میں لانے کے لیے ہوتا ہے۔ متن کے اندر اترنے اور غواصی پر اکسانے کے لیے ہوتا ہے تاکہ قاری کی ذہنی استعداد بڑھے اور وہ ایک متن سے کئی معنی برآمد کرنے کی صلاحیت حاصل کر سکے۔

ابہام کو ایک طرح کے فریب اور چالاکی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی یہ ایک توانا اصطلاح ہے، ایک جمالیاتی قدر جو شعری حسن کو بڑھاتی ہے لیکن الفاظ، خیال، مواد، کہانی کی غیر منظم پیش کش سے پیدا ہوتی ہے۔ ابہام دراصل وہ غلاف ہے جو شعری سیاق کے گرد لپیٹا جاتا ہے جس کی تشکیل میں کئی حربے شامل کار ہو سکتے ہیں اور بسا اوقات ایک ہی حربے کا باکمال استعمال اس کی تشکیل کو ممکن بنانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ بقول شخصے ابہام مستقبل کا تصور ہے جس پر دبیز دھند چھائی ہوئی ہوتی ہے جسے محض خلاق تخلیق کار ہی کسی حد تک چاک کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مگر پھر بھی زیادہ تر قارئین و ناقدین کے مطابق ابہام شعر کو بدمزہ اور ہر طرح سے خالی کر دینے والی صنعت ہے۔ اس ضمن میں اگر صرف غالب کو بہ طور مثال کے دیکھ لیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے۔ غالب جیسی

خلاقیت رکھنے والے شاعر نے ابہام کی صنعت کو کمال ہنر مندی اور فن کاری سے استعمال کیا اور اس کے برتاوے سے اپنے کلام میں معنی کی طرفین کو چہار سمتی عطا کی یا یوں کہیے کہ معنی کو تکثریت عطا کرنے کا کام یاب تجربہ کیا ہے۔ابہام ہی کے بہترین استعمال سے تخلیق کا زمانی دورانیہ بھی بڑھایا جاسکتا ہے اس لیے یہ کہنا بے جا نہیں کہ غالب کی شاعری کو بھی ابہام ہی کے بہترین استعمال نے لازمانیت عطا کی جبکہ اردو نظم میں یہ قابل ذکر کارنامہ لگ بھگ ہر دوسرے بڑے نظم نگار کے یہاں دیکھا جاسکتا ہے۔فیاض احمد وجیہہ لکھتے ہیں:

> "ابہام بنی نوع کے داخلی وجود کی ایسی کہانی ہے جس کو دھند سے نکال کر کوئی نام دنیا شاید ممکن نہیں۔ تخلیقی زبان اس ابہام کو موضوع بنا لینے کی قوت اپنے اندر رکھتی ہے لیکن اس کی بے چہرگی اس کو حد درجہ عزیز ہے۔اس لیے احساس کی لسانی منطق کو "معنی" سے کوئی علاقہ نہیں۔"(3)

ادبی اور شعری متون کے ابہام زدہ ہونے کے پیچھے کئی عوامل ہوتے ہیں جیسے کچھ شعرا فکری طور پر اتنے دقیق ہوتے ہیں کہ ان کی فکر کو گرفت میں لینے میں خاصی مشکل آڑے آتی ہے۔ایسے شعرا اکثر خیال کی تمام کڑیوں کو پیش نہیں کرتے۔شعور کی رو اور تلازمۂ خیال جیسی تکنیکوں کو برتنے سے بھی فن پارہ دقیق ہو جاتا ہے۔کچھ شعرا کی علمیت اور مطالعہ اس قدر وسیع ہوتا ہے کہ ان کی تخلیقیت پکڑ میں نہیں آتی۔اسی طرح ابہام کی فکری صورتیں بھی کئی ہیں جب مادی اور غیر مادی اشیا یا مجرد اور غیر مجرد اشیا کو آپس میں مدغم کر دیا جائے یا یوں کہیے کہ خارجی موجودات کو جب بھی ذہنی اور جذباتی کوائف میں تبدیل کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے تو ابہام ضرور جنم لیتا ہے۔کیونکہ یہ سراسر کسی بھی شاعر کا ذاتی تجربہ ہوتا ہے جس میں قارئین کی مکمل شرکت ناممکن رہتی ہے۔منفرد شخصیت، پیچیدہ ذہن، متحرک متخیلہ، پیچ در پیچ اسلوب، پر جوش تخلیقی قوت سے گوندھے ہوئے ادبی متن کا کلیتاً گرفت میں آنا ازبس مشکل ہوتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ فنی حربوں کی کثرت، دور از کار علامات و استعارات، خود ساختہ محاورات اور پیچیدہ تمثالیں اور اساطیر، غرض یہ کہ بدیعیات کی کثرت بھی عبارت کو مبہم اور دقیق بناتی ہے۔صنعت تعقید کا استعمال بھی اس سلسلے میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔اس صنعت سے مراد قواعد کی تحریف یا لفظوں کی غلط ترتیب ہے۔اس صنعت میں لفظوں کی نشست و برخاست میں ایسی بے ترتیبی پیدا کر دی جاتی ہے کہ متن کی تفہیم دشوار

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 39, Issue No. 2, December 2023

ہو جائے۔اس صنعت کو لفظوں کی کرتب سازی سے بھی موسوم کیا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ خیال آرائی، تلازمات کی کثرت، زبان کے عام استعمال سے انحراف، مرکب سازی، طلسمی فضا، داستانویت اور دیومالائی پراسراریت کے قیام کے لیے بھی ابہام کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔ سلیم احمد کے مطابق:

"ابہام کی کئی صورتیں اور کئی اسباب ہیں۔ ابہام ابلاغ میں دقتیں پیدا کرتا ہے۔اس کی بھی کئی شکلیں ہیں۔ ہر ابلاغ کے مسئلے کا ایک رخ قاری کی طرف اور دوسرا خود شاعر کی طرف ہوتا ہے۔ تیسرے ابہام غیر دانستہ اور دانستہ ہوتا ہے۔ دانستہ ابہام ایک فنی ضرورت ہے، مگر حقیقی ابہام اور ہے۔ مصنوعی ابہام اور حقیقی ابہام سے شاعری پیدا ہوتی ہے۔ جعلی ابہام سے بازی گری۔"(4)

اردو میں ابہام کا چرچا جدیدیت کی تحریک کے ساتھ ہی شروع ہوا۔ جدیدیت اردو میں کلاسیکیت کی بجائے ترقی پسندی کی معروضیت کا مفروضہ(Anti-Thesis) تھی۔مغرب میں ابہام کی جمالیت (Aesthetic of incomprehensibility) پر بحث کا آغاز انیسویں صدی میں ہو چکا تھا اور علامتی اور تجریدی تحریروں کو جمالیاتی اظہار کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔اردو میں نظم ابتداً جدید اور پھر مابعد جدید عہد میں داخل ہونے پر مشکل پسندی کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ نظم کی اس اشکال پسندی کو کچھ قارئین نے پسندیدہ خیال کیا لیکن اکثریت نے اس چلن پر ناپسندیدگی ظاہر کی۔ نظم کے اس چلن کو"ابہام" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جن کے نزدیک 'ابلاغ' شاعری کی سب سے بڑی صفت ہے اور جہاں ابلاغ ممکن نہ ہو سکے وہاں شاعری کی عوامی حیثیت کو چوٹ پڑتی ہے،اس کا منصب اور مقصد دونوں ختم ہو جاتے ہیں،اس نقطۂ نظر کے قائل سبھی حضرات آج بھی نظم دشمن دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی نظم کی اس اشکال پسندی نے نہ صرف عوام بلکہ بہت سے شعرا حتیٰ کہ نظم نگاروں کو بھی نظم سے متنفر کر دیا۔ابہام ایک متنازعہ فیہ اصطلاح ہے یہی سبب ہے کہ جب یہ نظم میں داخل ہوا تو اسے بہت زیادہ مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور بڑی حد تک نظم بیزاری نے جنم لیا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ابہام کسی کوتاہی کے طور پر نظم کا حصہ نہیں بنتا، یہ وصف ہے، خامی نہیں لیکن اس بات کو ابھی تک تسلیم نہیں کیا جاسکا کہ بڑے عالی دماغ شعرا پورے شعور کے ساتھ ابہام کو شاعری میں داخل کرتے ہیں

۔ابہام، ابلاغ کو روک کر نظم میں معنوی سطحوں کو بڑھا دیتا ہے اور اپنے قاری سے زیادہ ذہنی مشقت کا تقاضا کرتا ہے۔بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

"یہ صحیح ہے کہ نئی نظم میں اس وقت ابہام موجود ہے۔اشاریت پسندی اور علامت نگاری نے اس کو پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنا دیا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نئی نظم نئے انسان کی نئی حسی کیفیات کو بڑی خوش اسلوبی سے پیش کر رہی ہے۔ابہام اور اشاریت پسندی کا غلبہ بھی اس میں صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ جن انسانی تجربات کی عکاسی کر رہی ہے وہ خود بہت پیچیدہ اور تہ در تہ ہیں۔"(5)

نائن الیون نے دنیا بھر میں نئی بحث و تمحیص کو راہ دی لیکن ہمارے خطے کے لیے یہ ایک خاص کلامیے کی حیثیت رکھتا ہے۔جیسا انتشار، افراتفری، ذہنی بھگدڑ، بھونچال، انجانا خوف، بے چینی اور بے یقینی کی فضا سے اس دور کے اور بالخصوص ہمارے خطے کے لوگ دوچار رہے، اس کی مثال اس سے پہلے کی زندگی دینا مشکل ہے۔اکیسویں صدی اور بھی کئی حوالوں سے خاصی گھمبیرتا لیے ہوئے ہے چنانچہ اس کی ادبی پیش کش بھی ابہام سے تہی نہیں ہو سکتی کیونکہ در حقیقت ابہام، تذبذب اور کنفیوژن اس عہد کے دیے گئے ثمرات ہیں۔دوسری بات یہ کہ سیاسی حالات ملکی نوعیت کے ہوں یا عالمی نوعیت کے یا بلوچستان کی ذیل میں مقامی نوعیت کے، ادیبوں کے لیے اس کا اظہار کبھی بھی آسان نہیں رہا۔ہمارے ہاں مارشلائی دور کی تحریریں بھی علامتی اور تجریدی غلاف میں لپیٹ کر لکھی گئی تھیں اور مابعد نائن الیون ادب کی صورت حال بھی لگ بھگ اسی نوعیت کی ہے لہٰذا تمام اہم شعرا اپنے اظہار کو حتی الوسع مبہم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔سیاسی متن کی کوئی بھی قرأت ابہام کی بحث سے خالی نہیں ہو سکتی۔سیاسی متن کو یہی پیچیدگی منظوم کالم اور منثور خبر ہونے سے بچاتی ہے۔مابعد نائن الیون بلوچستان کی نظم بھی سیاسی بیانیے کو زیادہ تر اسی غلاف میں ڈھانپ کر پیش کرتی ہے۔کے بی فراق کی نظموں سے چند ٹکڑے ملاحظہ کیجیے:

"اپنے چہرے پر ابھرتے
ناقدری کے تناؤ
اور گھمبیرتا سے جانے نہ دیا

موقع بے موقع اس کی دہشت کو ظاہر کرنا ہے
اور دھیان رہے ہنسنا منع ہے
چیف صاحب نے یہ کہہ رکھا ہے
کیونکہ ہنسنے سے تنی ہوئی رگیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں
اور جنگی وحشت جانے کا
دھڑکا لگا رہتا ہے"

(قبیلے کے فرمان میں جینا(منتخب حصہ): کے بی فراق) (6)

"ہم نارضامندی کی پیدائش میں
پیدا ہوئے ہی نہیں
اگر ہم پیدا ہوتے
تو ہماری حالت کچھ اور ہوتی
جانے یہ بات کیونکر تاریخ میں یوں لکھ دی گئی
کہ جاؤ
آج تم پر کوئی گرفت نہیں
تم سب آزاد ہو
لیکن آج تک میں
آزادی ایسے شبد کی معنویت سے آشنا نہ ہو سکا"

(گواچن سے پرے بھی کچھ ہے؟(منتخب حصہ): کے بی فراق) (7)

"عصر میں جینے والے لیکھک
کیسے طاعونی فکر میں
شبد لکھا کرتے ہیں

چوہے بن کر جینے میں
اور زمین کھود کر
ہر شے کی مانند
بس کترنے کی لت میں یونہی
چوہے بلی کی سنگت کے موافق
لفظ اور معنی کے افتراق میں ایسے
سیندھ لگائے
اور کترنے کے عمل میں جیسے
منقلب ہو جاتے ہیں"

(یہ معمول میں شامل ہے (منتخب حصہ): کے بی فراق) (8)

سیاسی حالات کا سادہ اور اکہرا بیان کسی بھی شعری سیاق میں خاصی بدمزگی پیدا کر دیتا ہے اور تخلیق پارے کو صحافت کی سطح پر لے آتا ہے لیکن موجودہ نظم میں یہی صحافیانہ رنگ بڑی کثرت سے داخل ہوا۔ اس کی وجہ سے بھی نظم بیزاری میں اضافہ ہوا چنانچہ صحافتی رنگ اور سطح سے بیزاری اور بچاؤ کے لیے بھی ابہام کو رواج دیا گیا۔ لیکن عصری نظم میں پیچیدگی اور اشکالیت کی اصل وجہ موجودہ عصر کی پیچیدگی ہے موجودہ حالات کی براہ راست پیش کش جس سطحیت کو پیدا کرتی ہے اس سے بچنے کے لیے بھی یہ راستہ اپنایا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کا ادیب انتہائی پیچیدہ (Complicated) صورت حال سے دوچار ہے کئی طرح کے ذہنی عارضوں کے شکار یہ عصری رویے، تہذیب واقدار کی مسلسل شکست وریخت اور آئے دن کروٹیں لیتی اس زندگی کو کسی ترتیب، تنظیم اور سادہ گوئی سے بیان کرنا ممکن نہیں رہا۔ مصطفی شاہد کی دو نظمیں ملاحظہ کیجیے جو مابعد نائن الیون سیاسی، سماجی اور معاشرتی تناظر کی بہترین نمائندہ قرار دی جا سکتی ہیں۔ "تکمیل کا بت" میں سے یہ چار مصرعے دیکھیے کہ لوہے کی منحوس پرندے کی متلی سے/خوف کے پیلے پیلے دو قطرے ٹپکے تھے/دھرتی ماں کی کوکھ میں بنجر پن پھیلا تھا/سبزے کی خوشبو کا قتل عام ہوا

تھا۔ صرف ان چار مصرعوں میں نائن الیون کے واقعے، دہشت گردی کے خلاف جنگ اور اس کے مابعد اثرات کو کس خوبصورتی سے علامتی زبان میں سمیٹا گیا ہے۔

"بڑھئی درخت کی لاش سے تابوت بنا رہا تھا
بجلی کے تار پر ایک کوّا چیخ رہا تھا
سڑک کی تپتی پیشانی پر
فاختہ کی لاش پڑی تھی
دہشت گرد نے
ہوا کی ہتھیلی پر
انسانی لاش کا تعفن بویا تھا
فضا میں گناہ کی بدبو پھیلی تھی
برسوں پہلے
لوہے کے منحوس پرندے کی متلی سے
خوف کے پیلے پیلے دو قطرے ٹپکے تھے
دھرتی ماں کی کوکھ میں بنجر پن پھیلا تھا
سبزے کی خوشبو کا قتل عام ہوا تھا
میں نے بھاگتے ہوئے ایک آدمی سے پوچھا :
"مذہب کا مفہوم کیا ہے؟"
وہ بولا :
"ہنسنا منع ہے"
ایک آدمی الفاظ چبا رہا تھا
اس کی منہ سے اخبار کی بدبو آرہی تھی

وہ کہہ رہا تھا:
"زمین میں بارود اگانے سے
سفید پھول کھلیں گے"

(تکمیل کابت (منتخب حصہ): مصطفی شاہد) (9)

"پرندے کو قفس میں قید کر کے
آسمان کی طرح دیکھنا منافقت ہے!
منہ مین گالی کا ذائقہ رکھ کر
میٹھی بات کہنا ایک جھوٹ!
درویش نے کہا "خدا"
دور سے فاختہ کی آواز
سماعت کی وادی میں پھیلتی چلی گئی"

(روشنی کے قطرے (منتخب حصہ): مصطفی شاہد) (10)

ما قبل بحث سے یہ بات طے ہو چکی کہ ابہام کا ماخذ فکر بھی ہو سکتا ہے اور فن بھی۔ نظم کا فکری طور پر بہت بلند یا کثیر المعنی ہونا بھی نظم میں ابہام کی ہلکی یا گہری صورت پیدا کرتا ہے۔اس کے علاوہ نظم اپنی کلیت میں بھی مبہم ہو سکتی ہے اور جزوی طور پر بھی اس کے کچھ حصے یا ایک آدھ حصہ مبہم ہو سکتا ہے۔ابہام خود ساختہ بھی ہو سکتا ہے اور بے ساختہ بھی، بے ساختہ ابہام فکری ماخذ سے متعلق ہوتا ہے جبکہ خود ساختہ ابہام کا کارن زیادہ تر فنی اہتمام ہوتا ہے۔موجودہ نظم میں ابہام اس قدر اہمیت اختیار کر چکا ہے کہ اس سے عاری نظم ادھوری اور نامکمل معلوم پڑتی ہے یا پھر اسے مابعد جدید نظم قرار دینا مشکل ہو جاتا ہے۔آج کی نظم میں عنوان کا قیام بھی خاصی اہمیت اختیار کر گیا ہے، زیادہ تر شعرا عنوان کا چناؤ بھی ابہام کو پیدا کرنے یا تقویت دینے کے لیے ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔معاصر بلوچستانی اردو نظم میں، ان تمام باتوں کو مد نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ استعاروں، علامتوں، تمثالوں اور اساطیر کے بہ کثرت استعمال سے بھی نظم کو مبہم بنایا گیا ہے۔احمد شہریار کی دو نظمیں بہ طور مثال دیکھیے:

"پرانی حویلی
میں بوسیدہ لکڑی پہ
بے انتہا بھوکی مکڑی
کے جالے کی تہہ میں ضیافت پہ آئی ہوئی
دیمکوں کی المناک قبروں
سے اٹھتی ہوئی سبز خوشبوئیں
مکڑی کو اپنے جبلی ہنر
جالا بننے
سے بیزار کر دیں!"

(کہانی کا نقطۂ انجماد (منتخب حصہ): احمد شہریار) (11)

"تو نے ٹوٹی ہوئی کھوپڑی میں بھرا
بے گناہوں کا خوں
بھوک اور پیاس سے
گندی نالی کے پانی میں غلطاں
سگِ مردہ کی کھال کھینچی
اور اس کھال پر
آخری سانسیں گنتی ہوئی
ایک مقہور کوڑھی کی رالوں سے آلودہ
خنزیر کا گوشت
لا کر مرے سامنے رکھ دیا!"

(ضیافت (منتخب حصہ): احمد شہریار) (12)

بلوچستان کی موجودہ نظم میں ابہام، نظم میں مختلف حصوں کے مابین بے ربطی، لا تعلقی کے علاوہ نظم کے مصرعوں / لائنوں کے مابین فاصلے کے اہتمام سے بھی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے ساتھ ساتھ متن کے بین السطور موجود خالی جگہوں، وقفوں، نیز تکنیک کے نت نئے طریقوں، دو مصرعوں یا حصوں کے مابین خلاؤں کے ذریعے بھی جنم دیا گیا ہے۔ ایسی نظموں کی ڈی کوڈنگ اب واقعتاً آسان نہیں رہی۔ ایسی نظموں سے جہاں الگ الگ معنی نکلتے رہتے ہیں وہی معنی کی رد تشکیل کا عمل بھی جاری رہتا ہے لہٰذا اس نوع کی نظموں کو رد تشکیل کے نظریے(theory of Deconstruction) کا نمائندہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ ان نظموں میں معنی کی تعمیر کے ساتھ تخریب کا عمل بھی جاری رہتا ہے۔ یوں معنی تسلسل کے ساتھ پیدا بھی ہوتے رہتے ہیں اور معدوم بھی ہوتے رہتے ہیں یعنی معنی التوا کا شکار رہتے ہیں۔ ایسی نظموں کو بھی سطحی قرار نہیں دیا جاسکتا کیوں کہ یہ نظمیں بین السطور گلوبل ویلیج میں انسانوں اور اشیا کی معنویت کی مکمل کہانی بیان کر رہی ہوتی ہیں۔ غنی پہوال کی نظم "چونٹیاں" تجارتی ثقافت اور صارفیت کے حوالے سے تخلیق ہوئی خوبصورت نظم ہے۔ نظم میں دیوار پر مونالیزا کی منفرد مسکراہٹ والی تصویر کی بجائے بل گیٹس کی طنزیہ مسکراہٹ والی تصویر آویزاں ہے جو کئی حوالوں سے معنی خیز ہے۔ آئے دن بدلتے نئے ماڈل کی کشش اور ان کی طرف دوڑ دھوپ نے زندگی کے سارے رنگ فق کر دیے ہیں۔ اشتہاری کمپنیاں جو خواب بیچتی ہیں وہ ہماری آنکھوں سے کیکڑوں کی طرح چپکے رہتے ہیں اور ملٹی نیشنل کمپنیاں چونٹیوں جیسی ساری صفات رکھتی ہیں۔ وہ بڑے اتفاق، تیاری اور انتہائی خاموشی سے ہمارے سرمایے کی ذخیرہ اندوزی میں مصروف ہیں اور ہم بے حس و حرکت پڑے یہ تمام تماشا دیکھ رہیں ہیں۔ "چونٹیاں" کے ساتھ رضوان فاخر کی بھی ایک نظم ملاحظہ کیجیے:

"آج شام حسبِ عادت
میں کیکڑوں سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا
تو دیوار پر لگی بل گیٹس کی تصویر کے ہونٹوں پر
طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی
تو میں نے خفگی چھپانے کیلیے

فوراً نظریں تصویر سے پھیر کر
ٹی وی کی طرف کر لیں
اور صوفے پر بیٹھ گیا
اسکرین پر گھر بنانے والی ایک کمپنی کا
نیااور متاثر کن اشتہار چل رہا تھا
میں جیسے ہی اشتہار دیکھنے میں مگن ہوا
اشتہار سے ایک چیونٹی بر آمد ہوئی
اور اسکرین سے باہر کو دوڑی"

(چیونٹیاں(منتخب حصہ): غنی پہوال) (13)

"زیرِ آب جتنے بھی پودے تھے
اچانک سمندر کی آخری بوند تک پی چکے ہیں
مردہ مچھلی کی بو سے دھرتی باسیوں کو
قے آنے لگی ہے
پیاس کی شدت سے زباں ناف تک لٹکنے لگی ہے"

(جنگل میں لائٹ ہاؤس کی تلاش(منتخب حصہ): رضوان فاخر) (14)

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کے شاعر مکمل عصری آگاہی اور شعور رکھنے کے ساتھ ساتھ علوم و فنون کا گہرااور سنجیدہ مطالعہ بھی رکھتے ہیں۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ جس تخلیق پارے کو مبہم کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے وہ زیادہ تر کسی انگریزی نظم، کسی روسی ناول، کسی پرانی دیومالا کا حوالہ /ریفرنس ہوتا ہے جس سے عام قاری واقفیت نہیں رکھتا۔ ویسے بھی ہم زیادہ تر اپنی لاعلمی اور کم فہمی کو ابہام سے موسوم کرتے رہے ہیں۔ بلوچستان کی موجودہ نظم میں وسیع مطالعے سے پیدا ہونے والے ابہام کی بھی کئی صورتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ انجیل صحیفہ شکستہ، منتشر اور بے ترتیب سطروں اور تصویروں کی تکنیک(Broken Lines and Images)۔ کے بہترین استعمال کے ساتھ اپنی

نثری نظمیں تخلیق کر رہی ہیں جو اپنی نوعیت کی منفرد مثال ہیں۔ان کی اس طرز کی نظمیں مختلف ہونے کا احساس ابھارنے کے ساتھ معنی تک رسائی کو بھی مشکل بناتی ہیں۔آسان زبان اور علامات میں لکھی گئیں یہ نظمیں ابہام کی ایک نئی صورت کو متشکل کرتی ہیں۔ابہام کے عنوان کے تحت لکھی گئی ان کی ایک نظم دیکھیے:

"منظر در منظر کینوس پر ریت کے پاؤں بنا کر
ٹوٹے ہوئے فوارے تک جانا
اف! الٹی گنتی گننا بھی کیا عجیب کوفت زدہ کام ہے
تم دیکھنا کسی دن سمندر سیپی میں ڈوب جائے گا
ہاتھوں کو رگڑ کر گرم کرنے والے لوگ
جون کی گرمی سے گھبرا کیوں جاتے ہیں؟
آہ! زندگی کتنی رنگین ہے
لیکن اسٹرابری اپنے رنگ جتنی مزیدار نہیں ہوتی"

(ابہام(منتخب حصہ):انجیل صحیفہ) (15)

بلوچستان ایک کثیر اللسان خطہ ہے چنانچہ لسانی حوالوں سے کافی رچ ہے یہاں کے باشندے بیک وقت کئی زبانیں بآسانی بول سکتے ہیں۔اردو یہاں ثانوی زبان کے طور پر اپنائی گئی ہے اس لیے اردو زبان کا استعمال بھی دیگر خطوں کے مقابلے میں منفرد نوعیت کا ہے، جو ایک تو یہاں کی نظم کی الگ شناخت کو مستحکم کرتا ہے دوم معنی کی ترسیل کو بھی مختلف النوع حیثیت بخشتا ہے۔روزمرہ اور معمول کی زبان کے برعکس یہاں کی مقامی زبانوں اور علامات کا کثیر استعمال بھی یہاں کی نظموں میں معنی کے حصول کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں۔بلوچستان کی نظم میں لسانی برتاوے کے علاوہ علم وفنون و فلسفے اور بطور خاص سائنس اور سیاست سے یہاں کے نظم گوؤں کی گہری وابستگی اور دلچسپی نے بھی تہہ داریت کو جنم دیا ہے۔معاصر سیاسی تناظر جس طرح پینٹ ہونے کا استحقاق رکھتا ہے یہاں کی نظم میں اسے اسی طرح پینٹ کرنے کی سعی کی جارہی ہے یوں یہ کہنا مبنی بر حقیقت ہے کہ یہاں تخلیق ہونے والی نظم کئی حوالوں سے مجموعی عصری نظم کے مقابل رکھی جاسکتی ہے۔

Published by:
Department of Urdu
Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan)-60800
Website: https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 39, Issue No. 2, December 2023

حوالہ جات

1۔ فہیم اعظمی، آرا۔۳،(کراچی: مکتبۂ صریر، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۵۰

2۔ ناصر عباس نیر، نظم کیسے پڑھیں، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)، ص ۱۲۶

3۔ فیاض احمد وجیہہ، رفیق سندیلوی کی نظمیں اور معنی کی اسطورہ، مشمولہ: تناظر۔۱، (گجرات: جنوری تا جون ۲۱۰۲ء، سوشیو لٹریری فورم)، ص ۲۶۴

4۔ سلیم احمد، مضامین سلیم احمد، (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۹ء)، مرتبہ: جمال پانی پتی، ص ۲۵۱

5۔ عبادت بریلوی، نظم کی ضرورت، مشمولہ: اردو نظم: ہیئت اور تکنیک، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۸ء)، مرتبہ: خوشحال ناظر، ص ۳۷

6۔ کے بی فراق، قبیلے کے فرمان میں جینا (نظم)، مشمولہ: تسطیر ۶، (راولپنڈی: دسمبر ۲۰۱۸ء)، ص ۳۴۹

7۔ ایضاً، گواچن سے پرے بھی کچھ ہے ؟ (نظم)، مشمولہ: تسطیر ۶، ص ۳۵۰

8۔ ایضاً، یہ معمول میں شامل ہے (نظم)، مشمولہ: سنگت، (کوئٹہ: نومبر ۲۰۱۸ء)، نظم ایڈیشن، جلد ۲۱، شمارہ ۱۲، ص ۸۶۔۸۷

9۔ مصطفی شاہد، دھیان کا بہتا پانی، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۲۴۔۱۲۶

10۔ ایضاً، ص ۱۱۸۔۱۲۳

11۔ احمد شہریار، کہانی کا نقطۂ انجماد (نظم)، مشمولہ: سنگت (کوئٹہ: جولائی ۲۰۱۴ء)، جلد ۱۷، شمارہ ۸، ص ۲۴

12۔ ایضاً، ضیافت (نظم)، مشمولہ: سنگت، نظم ایڈیشن، جلد ۲۱، شمارہ ۱۲، ص ۶

13۔ غنی پہوال، سانسوں کی کشتیاں، (کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء)، ص ۱۰۹۔۱۱۲

14۔ رضوان فاخر، جنگل میں لائٹ ہاؤس کی تلاش (نظم)، www.facebook.com، ۲۶/جون ۲۰۱۹ شام ۶ بجے۔

15۔ انجیل صحیفہ، ابہام (نظم)، مشمولہ: سنگت، نظم ایڈیشن، جلد ۲۱، شمارہ ۱۲، ص ۱۷